عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ / فروری ۲۰۱۶ء

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 6

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل (قسط۔۳)

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

سائنسی اور فنی علوم:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالیؒ نہ رہی

ہمارے نزدیک سائنسی اور فنی علوم کے بارے میں محض ناواقفیت اور اسلام کی بنیادی قدروں کو نہ جاننے کی بنا پر بعض طبقات نے ان علوم کو اسلام کے مقابل سمجھا ہے، اس لئے یہ مغالطہ پیدا ہو گیا کہ سائنسی اور فنی علوم ابتداء سے انتہا تک غیر اسلامی ہیں۔ حالانکہ جہاں تک نظریاتی اور فکری نہاد کا تعلق ہے، اسلام سائنس اور فنی علوم کا نہ صرف یہ کہ مخالف نہیں، بلکہ اس کا حامی، داعی اور صدیوں تک اس کو آگے بڑھانے والا رہا اور یہ صرف مبالغہ آرائی یا سخن سازی نہیں، بلکہ ہماری قدیم میراثِ علمی ہند سے لے کر اندلس تک اور سمرقند و بخارا سے لے کر استنبول تک اس چیز پر شاہدِ عدل ہے کہ کبھی ہم ہی علوم وفنون وسائنس وصنعت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمیں دوسو سالہ غلامی نے نہ صرف اپنی میراثِ علمی سے محروم کیا، بلکہ اس کے جاننے سے بھی محروم ہو گئے کہ ہم بھی کبھی کچھ تھے۔ اقبال نے ایک موقع پر ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی

نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارہ

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

غنی روز سیاہ پیرِ کنعان را تماشہ کن

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

ترجمہ: اے غنی کنعان کے بوڑھے یعنی یعقوب علیہ السلام کے تکلیف دہ دن کا تماشہ کر کہ اس کی آنکھ کی روشنی یعنی یوسف علیہ السلام زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر رہی ہے۔

اسی طور پر اقبالؔ نے اپنی فارسی تصنیف (پس چہ باید کرد) میں یہ بات کھول کر سنائی ہے۔ یہ سائنس ہماری ہی پروردہ تھی۔ بات غیر متعلق اور طویل ہو جائے گی، ورنہ بتایا جاتا کہ ہم نے دنیا کو سائنسی اور فنی لحاظ سے کیا دیا اور اس میدان میں گیارہ سو سال تک امامت کے کس نقشے کو قائم رکھا اور یہ امامت ہمارے ہاتھوں سے کیوں چھن گئی۔ یہ ایک دردناک داستان ہے، جس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ جہاں تک کہ سائنسی، فنی اور دنیاوی علوم کا تعلق ہے، قرآن نے خلقت آدم کے وقت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ: ۳۱) کا جو اشارہ نقل فرمایا ہے کہ وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ فطرتِ بشری میں اشیاء کے خواص اور ان سے استفادہ کے علوم کو ڈال دیا گیا۔ اس کے ذریعے مؤمن و کافر کی تخصیص نہیں رکھی گئی، جو بھی حواس کے ذریعے حاصل کردہ اشیاء کے علوم کو حاصل کر کے اپنے ذہن اور فکر کو تجربہ کے رخ سے چیزوں سے استفادہ کی لائن پر لگا دے گا، وہ فنی اور سائنسی اشیاء والا بن جائے گا، اور نو بہ نو ایجادات بنانے والا بن جائے گا کہ اشیا سے نفع مندی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حواس، عقل اور تجربہ کے آلات عطا فرمائے ہیں۔

پتوں سے جسم کو ڈھانپنے اور مٹی کے پیالہ بنانے اور کوّں سے مُردوں کے دفنانے کا علم سیکھنے سے لے کر جتنے بھی سائنسی اور فنی علوم ہیں سب کی بنیاد حواس سے حاصل کردہ علوم اور ان پر بنا کردہ قیاسات و استقرا، تجزیہ اور چیزوں کے جوڑ توڑ سے ایجادات کا ظہور میں لانا ہے، اسلام اشیا سے استفادہ کو نہیں روکتا۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسانی تسخیر کا میدان بنایا ہے۔ اسلام علوم و فنون، سائنس، صنعت کاری سے صرف اس

وقت روکتا ہے، جب یہ اشیاء انسان کی ہلاکت کا سامان بن جائیں، ورنہ خود اس کا داعی ہے۔ فکری اعتبار سے کئی جدید نظریات کے بانی، پیش رو اور مؤجد مسلمان ہیں۔ بیشتر ہمارے علما ان پر بہت کچھ کہہ چکے ہیں، بہرحال اس کے بارے میں حضور انور ﷺ نے ان تجرباتی علوم کو فطرتِ انسانی سمجھتے ہوئے قدغن (پابندی) نہیں لگائی، بلکہ فرمایا: اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ، تم دنیائی امور کو فطرتی افتاد اور تجربہ کی بنا پر زیادہ سمجھتے ہو۔

لیکن ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ سائنس دان ہوں، یا فلاسفہ یا دیگر مکاتب فکر کے اشخاص، ان کے سائنسی فنی علوم اور ٹیکنیکل ایجادات اگر ایسے مفروضوں پر استوار کی جائیں جو وحی الٰہی سے ظاہراً خلاف معلوم ہوتے ہوں، تو ان کو ارشاداتِ الٰہیہ سے تطبیق دی جائے گی، یا ان کی تاویل کی جائے گی (یعنی درست کیا جائے گا)، ورنہ ان کا ابطال ورد کیا جائے گا۔ انسانی علوم خواہ سائنسی ہوں یا فکری سب ترقی پذیر ہیں، آج ان کا ایک مسلمہ نظریہ کل جا کر غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ وحی الٰہی ایک غیر متبدل حقیقتِ ثابتہ ہے اور انسانی علوم تغیر پذیر اور دھوپ، چھاؤں کی طرح بدلنے والے ہیں، اس لئے اسلامی غیر متبدل علوم کو سائنسی علوم کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ یہی وہ غلطی ہے جو آج سے سو سال پہلے ہندوستان میں انگریزی علوم کے ورود کے وقت ایک طبقہ سے ہوئی۔ انہوں نے سائنس کو غیر متبدل سمجھ کر قرآنی حقائق کو بدلا اور جو چیز سائنس کے خلاف تھی، اس کا انکار کیا، حالانکہ وہی افکار پچاس، ساٹھ سال بعد داستانِ پارینہ بن گئے۔ (یعنی امت نے نہ انھیں قبول کیا نہ عمل میں لائے) اس بات کو زیر نظر رکھتے ہوئے سائنس اور ٹیکنیکل علوم کو اسلامیانے کا فریضہ دو بنیادوں پر ہوگا۔

۱۔ آج جن چیزوں کو آخرش قانونِ فطرت یا Natural Phenomenon کہہ کر ختم کیا جاتا ہے اور ہر بات کی تان نیچر پر آ کر ختم ہو جاتی ہے، جو خود ایک اندھی بہری اور نامعلوم چیز ہے جیسا کہ پرانے فلاسفر نے کہا: معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد اور نئے سائنس دانوں نے کہا: مادہ کیا ہے؟

ایتھر۔ اور ایتھر کیا ہے؟ ایک نا معلوم حقیقت۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان تخلیق کائنات کا مسئلہ حل نہیں کر پایا۔ فلسفی ہزار سلجھاتا ہے مگر ڈور کا سرا نہیں ملتا۔ انسانی نظریات زوال پذیر ہیں لیکن خالق کی بات ایک لازوال حقیقت۔

ہر چند فلاسفہ کی چناں و چنیں رہی!

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! (اکبرؔ)

عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ نیچر جیسی ایک نا معلوم حقیقت کو کائنات کے تمام سببوں کا سبب اور ’علۃ العلل‘ کیوں قرار دیا جائے اور اس مردہ اور لایعقل نیچر کی بجائے اس قادر اور توانا، حیّ و قیوم اور صفاتِ حسنہ سے متصف ایک خالق کائنات کو پوری مخلوق کا کیوں خالق اول نہ گردانا جائے۔ عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ مردہ، بے ارادہ اور بے حس مادہ کے بجائے ایک ہمہ کامل و مکمل، اچھے اوصاف سے بھرپور خالق کا عقیدہ اپنایا جائے۔ چیزوں کو اسلامیانے کے لئے صرف اتنا کچھ کرنا پڑے گا کہ اشیا کو خدا کی پیدائش اور صنعت گیری قرار دیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (النمل:۸۸)

ترجمہ: یہ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے۔

قرآن نے بے شمار جگہوں پر اس پورے نظام کو آیت اللہ قرار دیا ہے اور اس میں تدبر اور فکر کی دعوت دی ہے، دوسری بات یہ ہوگی کہ لادینی اور بے خدا اذہان کے پیدا کردہ جو غیر فطری لادینیت کے جراثیم اور نظریات گھس آئے ہیں ان کو باہر نکالا جائے اور یہ کام وقت طلب نہیں، چند بنیادی چیزوں کو مان کر اور حقائق کا اعتراف کرکے پورے کا پورا خزانہ معرفتِ حق کا سبب بن سکتا ہے۔

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ام

اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما!

ترجمہ: میں نے پیالے میں محبوب کی تصویر دیکھی ہے۔ میرے ہمیشہ پینے کی لذت سے تو بے خبر ہے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الٰہیات کے بارے میں سائنس اور فلسفہ کی نگاہ اندھی ہے۔ میں تو مشہور (جرمن) مابعدالطبیعیاتی فلاسفر کانٹ (Immanuel Kant) کے لفظوں میں کہوں گا کہ مابعدالطبیعیاتی حقائق کو معلوم کرنے کے لئے حواس کا علم کام نہیں کرتا۔ جب حواس مابعدالطبیعیاتی علوم کے بارے میں بے دست و پا ہیں تو الٰہیات ومغیبات تک رسائی کیسے ممکن ہے، پس مادہ سے وراء الوراء الٰہی علوم اور حقائق غیبیہ تک، سائنس اور علم انسانی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانی علوم اور الٰہی علوم میں سے ہر ایک کا اپنا میدان ہے۔ ایک ہمہ تن ترقی پذیر اور متبدل، حواس و اشیا کا علم ہے، دوسرا غیر متبدل عرفانی حقائق و خدا کا علم ہے۔ ایک علم "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسۡمَاءَ کُلَّهَا" (اور سکھائے ہم نے آدمؑ کو ساری دنیا کی چیزوں کے نام) کا ظہور ہے۔ دوسرے علم کے اعتبار سے انسان "وَعَلَّمَ الاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَم" (سکھائے ہم نے انسان کو وہ علم جن کو وہ نہیں جانتا تھا) کا مظہر ہے۔ علوم وحقائق دینی عَلَّمَ الاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَم کی حقیقت کا ظہور اور وَعَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَم (اور سکھایا وہ جسے تو جان نہیں سکتا تھا) کا اعلان ہیں۔ دونوں انسان کی کرامت وفضیلت کا منہ بولتا ثبوت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی دلیل ہیں۔

انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ کائنات کی تسخیر اس کی کرامت ہے۔ قرآن

وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ (بنی اسرائیل:۷۰)

(اور ہم نے عزت دی ہے آدمؑ کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں)

کہہ کر شہادت دیتا ہے اور الٰہی علوم اس کی حقیقی خلافت اور تشریعی فضیلت پر شاہدِ عدل ہیں۔

وہ بیک وقت زمان ومکان کا راکب اور خلیفہ الٰہی اور احکام ومعرفت ربانی کا حامل ہے۔

(جاری ہے)

قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

بندہ کے دو مریدوں ڈاکٹر صفدر سکن سپیشلسٹ لکی مروت اور عبدالباسط صاحب کمپیوٹر سافٹ ویئر ایکسپرٹ نے قانون تحفظ ناموس رسالت کی طرف توجہ دلائی۔ بقول عبدالباسط صاحب لاہور میں کوئی صاحب جگہ جگہ تقریر کر کے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلاں فلاں قول کے مطابق کافر اگر توہین رسالت کرلے تو اس کا قتل نہیں ہے۔ ڈاکٹر صفدر صاحب نے بتایا کہ اس قول پر لاہور کے کسی بڑے مدرسے کے مفتی نے قتل نہ کرنے کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

اس کیس کے سلسلے میں چونکہ ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی فیڈرل شریعت کورٹ میں پیش ہوئے تھے اور فیصلہ ان کے حق میں ہوا تھا اس لئے بندہ کو ان اطلاعات پر بہت افسوس ہوا۔ سارے اہل علم جانتے ہیں کہ وہ کفار جنھوں نے حضور اقدس ﷺ کی حیات میں توہین رسالت کی انہیں آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتل کیا۔ مثلاً کعب بن اشرف یہودی سردار، ابو رافع یہودی سردار، ایک نابینا صحابی کی باندی، عمر بن امیہ رضی اللہ عنہ کی کافرہ بہن، ایک گالیاں دینے والی یہودی عورت کا قتل، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، عصما بنت مروان یزید بن زید بن حصین خطمی رضی اللہ عنہ کی بیوی، حویرث بن نقید جس کو فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، غرضیکہ کئی واقعات ہیں۔ بعضے آپ ﷺ کے حکم سے ہوئے۔ بہر حال سب ہی آپ ﷺ کے دور میں ہوئے ہیں، جن کے حوالے کتابوں میں واضح موجود ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین، ساری زندگی جہاد کے میدانوں میں صف اول میں رہے لیکن کسی پروا نہیں کیا۔ صرف غزوۂ احد میں ایک کافر سے جس نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے، اس پر بیٹھ کر آپ کو قتل کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا ان شاء اللہ

میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں جب وہ وار کرنے کے لئے آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس آنے دو۔ ایک صحابی سے برچھا لے کر آپ ﷺ نے اس کی گردن پر ہلکی سی لکیر لگا دی جس سے وہ گھوڑے سے گرا اور چلانے لگا۔ اس کے چلانے کی آواز ایسی تیز تھی جیسے بیل کی آواز ہوتی ہے۔ لوگوں نے شرم دلائی۔ اس پر اس نے کہا کہ مجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ سارے حجاز والوں پر تقسیم ہو تو سب مر جائیں۔ چنانچہ مکہ مکرمہ واپسی پر وہ راستے میں ہی مر گیا۔

صرف یہ ایک واقعہ آپ ﷺ کے وار کرنے کا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی جانی تکلیفوں یا اپنے خاندان کی جانی مالی تکالیف کا کبھی بدلہ نہیں لیا۔ لیکن توہین رسالت والا خواہ مسلمان ہو خواہ کافر سب کے قتل کا حکم دیا ہے۔ دراصل رسالت آپ ﷺ کا ایک آسمانی منصب ہے اور مملکت عظیم الشان الٰہیہ کی ایک رِٹ ہے۔ اور کوئی حکومت اپنی رِٹ کو توڑنے کی اجازت دیتی، رِٹ کو بہر صورت بحال رکھتی ہے۔ اگر کوئی رِٹ توڑنا چاہے تو اس پر بمباری تک کرتی ہے۔

کسی برادری میں دادا جان اتنے بوڑھے ہو جائیں کہ چل نہ سکیں، بات نہ کر سکیں، ان کی اگر کوئی گلی سے گزرتے توہین کر لے تو ساری برادری مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان سب کو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ برادری کا اعزاز اور بقا دادا جان کے اعزاز سے ہے۔ اگر یہی نہ رہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری برادری مر گئی ہے۔

رسول اور نبی کی ذات مملکتِ الٰہیہ کے عدل وانصاف، سچائی، عاجزی اور خدمت والے نظامِ حق کی علامت (Symbol) ہوا کرتی ہے۔ ظاہر ہے اس کو چھیڑنے والا ظلم، بے انصافی، جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی کا نمائندہ ہی ہو سکتا ہے۔ تو کیا حق کو باطل کے آگے ہتھیار ڈال دینے چاہئیں اور اسے کھلے مہار چھوڑ دینا چاہیئے۔ عقل سلیم جواب دے گی ہرگز نہیں بلکہ حق کو بہر صورت اپنی رِٹ قائم رکھنی چاہیئے۔

جہاں تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے استدلال کر کے توہین رسالت کرنے والے کافر کے قتل کو معافی مانگنے پر معاف کرنے کے بارے میں نام نہاد دانشور اور کالم نویس دلائل دیتے ہیں تو یہ بات اہل علم پر خوب واضح ہے کہ فقہ حنفی صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر نہیں ہے بلکہ ان کی دو سو علما کی مجلس تھی، جن میں ۴۰ علما درجہ مجتہد کے تھے اور ۱۶۰ گہرے علم والے علما تھے۔ کئی کئی دن قرآن اور اور حدیث کی روشنی میں اور صحابہ کے تعامل (عمل کرنے) کی روشنی میں بحث ہوتی تھی۔ پھر جب بات کا فیصلہ ہوتا تھا تو وہ فقۂ ابو حنیفہؒ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کئی اقوال ان کی مجلس نے بطور فقہ حنفی قبول نہیں کئے۔ انہی میں سے ایک قول توہین رسالت والے کافر کے قتل نہ کرنے کا ہے جو فقہ حنفی میں قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس مسئلہ میں جیسے حضور ﷺ کے زمانے سے طریقۂ کار چالو تھا جس پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم، فقہا اور پوری امت متفق تھی اور اسی کو اجماعِ امت کہتے ہیں۔ یہی اس وقت دنیائے اسلام کے سارے مکاتبِ فکر میں جاری ہے۔ لہٰذا جو لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے انفرادی قول کو لے کر اس کو بحث کی بنیاد بناتے ہیں اسے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں یا تو کم علم اور بیوقوف ہیں یا سازشی اور جھوٹے ہیں۔

اس سلسلے میں فیصلہ کن فتویٰ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم (توہین وگستاخی) کرنے والا کافر ہے اور جو کوئی اس کے معذب ہونے اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔"

اس لئے جن مفتیوں نے شاتمِ رسول کے قتل یا سزا میں شک کیا وہ شاہ صاحبؒ کے فتویٰ کے مطابق دوبارہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوں اور اپنے نکاح بھی دہرائیں۔ جو حج فرض پہلے کیا تھا باطل ہو گیا۔ اب اگر پھر صاحبِ نصاب ہیں تو دوبارہ حج کریں۔ جو نمازیں، تلاوت، ذکر اذکار کئے تھے یا زکوٰۃ، صدقات، وغیرہ دئے گئے تھے ان کا ثواب ختم ہو گیا۔ تجدید ایمان سے وہ بحال نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بنیاد بنا کر کافر شاتمِ رسول (رسول کو گالی دینے والا) کے قتل کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اگر کسی مفاد کے تحت کر رہے ہیں تو ان کا خدا حافظ، نا سمجھی سے کر رہے ہیں تو جان لیں کہ خود کو کفر میں دھکیل رہے ہیں۔

جب دنیا کی ساری ریاستوں میں ان کی اہم شخصیات کی توہین کے بارے میں قوانین موجود ہیں، ایسے ہی دنیائے اسلام میں بھی یہ قانون موجود ہے۔ کسی ریاست میں رہنے آدمی کے لئے وہاں کے قوانین کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ مجھے قانون کی خبر نہیں تھی، اس بہانے کو کوئی عدالت نہیں مانتی۔ اسی طرح دنیائے اسلام میں یہ قانون ہے کہ ان کے پیغمبر کی اگر کوئی توہین کرے گا تو، وہ مسلمان ہو یا کافر، قتل کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کی پابندی سب کو کرنا پڑے گی۔ کوئی کہے کہ مجھے اس قانون کا پتہ نہیں تھا تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

Ignorance of Law is No Excuse.

ذرا سوچیں یہ لبرل، یہ دہریے اور یہ مغربی دنیا کے لوگ، جن کے یہودی اور عیسائی مختلف کاموں کے لئے مسلم دنیا میں رہ رہے ہیں، وہ ہم سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ہمارے لوگ تمہارے ہاں رہیں گے، تمہارے پیغمبر کی شان میں گستاخیاں کریں گے، نعوذ باللہ گالیاں دیں گے اور تم انھیں کچھ نہیں کہو گے۔ کیا یہ شائستہ حرکت ہے؟ اگر مغرب اور لبرل اس بات کو شائستہ سمجھ رہے ہیں تو لعنت ہے ان کی سوچ پر اور پھٹکار ہے ان کی عقل پر۔ خدانخواستہ مسلمان اس بات کو برداشت کر گئے اور خدانخواستہ کسی حکومت نے اس کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تو اس کی مثال ایسی ہی ہو گی کہ دشمن کے سامنے آدمی بھیگی بلی بن جائے، گھٹنے ٹیک دے اور ہتھیار ڈال دے، کیونکہ جو اپنے بڑوں کے ناموس کا تحفظ نہیں کر سکتا اس کا قوموں کے درمیان رہنے کا کوئی حق ہی نہیں رہتا۔

☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۷۵)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

تربیت تو میرے بھائی اپنے نفس سے کُشتی ھے:

فرمایا کہ حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے خطوط لکھے اور ایک تحریر شائع فرمائی اور سارے مدارس کو بھیجی اور سارے مدارس سے یہ درخواست کی کہ اگر آپ کے مدارس میں سلاسل تصوف کا رواج نہیں ہوگا اور بیعت کا اور تربیت کا رواج نہیں ہوگا تو آپ کے علماء پکے نہیں ہوں گے۔ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط ملا تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں مفتی تقی عثمانی صاحب اور رفیع عثمانی صاحب سے کہا کہ برخوردارتم تو جا کر ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جاؤ کیونکہ مفتی تو تم ہو اور شیخ الحدیث بھی ہو لیکن اس علم کے بعد جو نفس کے اندر ذاتِ ذوالجلال کا تعلق قرار پکڑتا ہے اور نفس کی جو خباثتیں اور گندگیاں ٹوٹتی ہیں جس کو فنا کہتے ہیں اور اس کے اندر نیک خصائل اور نیک صفات جب آ کر جڑ پکڑتی ہیں جس کو کہ بقا کہتے ہیں، یہ تو اُس آدمی کو حاصل ہے۔ واقعی ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ تو شیخ الحدیث گزرے نہ مفتی گزرے لیکن نسبتِ باطنیہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قدم اگر آگے نہیں تھا تو کسی صورت پیچھے بھی نہیں تھا۔

بندہ نے وفات کے بعد کئی بزرگوں کو خواب میں دیکھا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ پشاور یونیورسٹی ہے اور اس میں ایک ایسا جلوس آ رہا ہے جس طرح کوئی بہت بڑا شہنشاہ کسی مملکت کا آ رہا ہو۔ گاڑیاں آگے پیچھے اور جلوس میں جس طرح موٹر سائیکلیں ہوتی ہیں موٹریں ہوتی ہیں۔ قسم ہا قسم کی چیزیں ہوتی ہیں، ان کے محافظ ہوتے ہیں، گارڈ ہوتے ہیں، ایک شور و غوغا ہے۔ میں نے کہا یا اللہ! یہ تو کوئی بہت ہی بڑا آدمی آ رہا ہے، پیچھے دیکھا تو

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفید کپڑوں میں آرہے ہیں اور ہماری مدینہ مسجد جس میں ہمارے سلسلے کے سارے کام ہوتے ہیں اس کے پیچھے سارا جلوس ٹھہر گیا اور کاروائی شروع ہوگئی۔ لہٰذا مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ ایک تو اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ ڈاکٹر صاحبؒ اللہ کے بہت مقبول بندے دنیا سے اُٹھ گئے اور دوسرا یہ کہ ہمارے سلسلے میں ان کا فیضان آئے گا۔ سوچا کیسے آئے گا؟ ان کی کتاب اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ پڑھی تو بہت پسند آئی تو اسے ہم نے سلسلے کے نصاب میں شامل کیا۔ ہمارے تین درجے کے نصاب میں درجہ دوم میں یہ کتاب ہے۔ پھر ''بصائر حکیم الامت'' جو پڑھی تو سبحان اللہ، یہ کتاب تو تصوف کی ایسی مہم بحث ہے جو پرانے بزرگوں کی گویا یادگار ہے۔

تو دونوں صاحبزادگان کو مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت کے لئے وہاں بھیجا۔ تربیت تو میرے بھائی! اپنے نفس سے کشتی... کشتی کیا بلکہ دِھینگا مشتی ہے اور رگڑا رگڑی ہے اور پیہم کوشش ہے۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد پھر تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہٗ نے ہی ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کی سوانح لکھی ہے جو کہ قریباً ۹۰۰ صفحے پر مشتمل ہے۔

تُو خاک میں مل تُو آگ میں جل، جب اینٹ بنے تب کام چلے
اِن کچی پکی بنیادوں پر تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

جسمانی اور روحانی اهلیت:

فرمایا کہ میرا ایک انٹرویو ہو رہا تھا صوبائی پبلک سروس کمیشن میں ۱۹۷۸ء کی بات ہے۔ انٹرویو ہوگیا اس کے بعد انہوں نے ایسے ہی Informal (غیر رسمی) باتیں شروع کردیں۔ چیئرمین نے کہا کہ یہ تمہارے ڈاکٹر صاحبان ایسے ظلم کرتے ہیں، ایسے پیسے لیتے ہیں، ایسے تنگ کرتے ہیں، لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، انہوں نے کافی فہرست الزامات کی دہرائی۔ میں نے سوچا کہ بات Informal ہوگئی ہے، تکلفات سے خالی ہوگئی ہے، اب ان سے میں کوئی بات کہوں تو یہ برا نہیں مانیں گے۔ میں نے کہا جی معاف کریں! ہم معاشرے کے لئے ڈاکٹر تو بناتے ہیں پر انسان نہیں

بناتے، انجینئر تو بناتے ہیں انسان نہیں بناتے، افسر تو بناتے ہیں انسان نہیں بناتے۔ جب ان کی شخصیت کی تعمیر نہیں ہوگی تو جس جگہ پر جائیں گے انسانوں کی پریشانی کا ذریعہ بنیں گے۔اس لئے قرآن پاک میں جن مقامات پر کوئی ذمہ داری لینے دینے کا تذکرہ آیا ہے تو اس کے ساتھ دو باتوں کا تذکرہ کیا ہے، جسمانی اور روحانی اہلیت۔ جسمانی اہلیت یہ ہے کہ جس شعبہ کا ہے اس شعبہ کو جانتا ہو اور صحت مند ہو۔ روحانی صلاحیت و استعداد اور فٹنس یہ ہے کہ اس کے اندر دیانت امانت کی صفات ہوں۔

بنی اسرائیل پر مصیبت کے حالات تھے،ان کے مخالفین نے ان کو مارا، ملک سے نکالا اور خوب پریشان کیا۔ آکر غور کرنے لگے کہ پٹتے پٹتے اب ہم کہاں تک پٹیں گے اور کیسے وقت گزاریں گے۔ان کا خیال ہوا کہ مقابلے کے لوگوں کا تو محکم نظام ہے، ان کا بادشاہ ہے، فرمانروا ہے، ہر شعبہ انہوں نے منظم کیا ہوا ہے لہٰذا اس تنظیم کے ساتھ یہ ہم پر غالب آگئے ہیں اور ہم ان کے مقابلے میں تتر بتر بھیڑ بکریوں کی مثال ہیں۔ انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اگر تو ہمارے لئے بھی کوئی بادشاہ مقرر کردے تو ہم اس کی سرکردگی میں جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر بادشاہ مقرر کردیا۔ انہوں نے کہا: یہ تو غریب، بے حیثیت آدمی ہے، اس کی جگہ کوئی مضبوط قوم کا آدمی ہوتا، کوئی مالدار قوم سے ہوتا تو اس کو سب بادشاہ مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ان سے فرمایا کہ بادشاہ کے لئے علمی استعداد اور جسمانی صحت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تم میں سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اس کے لئے کوئی شکل وصورت کی ضرورت نہیں ہے، کسی بڑی قوم سے ہونا ضروری نہیں ہے اور مالدار ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے حوصلہ، برداشت، جرأت، شجاعت، فہم، بروقت صحیح فیصلہ کرنا، بات کو صحیح سمجھنا، یہ باتیں ضروری ہوتی ہیں اور وہ تم میں سب سے زیادہ ان میں یعنی طالوت رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مصر کا اقتدار مانگا تو انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے مصر کے خزانے دے، میں ان خزانوں کا کام جاننے

والا بھی ہوں (کافی عرصہ مصر کے وزیرِ خزانہ عزیزِ مصر کے گھر پر رہے تھے) اور ان کی حفاظت کرنے والا بھی۔ دیانتداری اور حفاظت کی جو صفت ہے وہ روحانی استعداد ہے، وہ بھی ہے مجھ میں اور علیم بھی ہوں یعنی میں اس کام کو جانتا بھی ہوں۔ جسمانی استعداد بھی تھی اور روحانی استعداد بھی۔ اسلامی نظام نے ہمیشہ ایسی ترتیب چلائی جس نے صرف معاشرے کو Technocrates اور Bureaucrates نہیں دیے بلکہ اس کو بنی ہوئی شخصیات دی ہیں جو اپنے لئے، سارے انسانوں کے لئے اور پورے معاشرے اور ماحول کیلئے رحمت بنی ہیں۔ آپ کے بڑے بڑے تربیت کے ادارے ہیں، ان کے ٹریننگ کے طریقۂ کار کا جا کر مطالعہ کریں، Bureaucrates کی ٹریننگ کے طریقۂ کار کا مطالعہ کریں تو ان کو ٹرکیں (Tricks) اور ڈاج (Dodge) کرنا اور اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے ہتھکنڈے استعمال کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اخلاص ہو، اخلاق ہو، آپ اپنے اخلاص سے متأثر کر رہے ہوں، یہ نہیں سکھایا جاتا۔ یہ اسلامی نظام ایک صبر آزما چیز ہوتی ہے۔ ۲۳ سالہ صبر آزما دور ہے حضور ﷺ کا۔ سارا معاشرہ اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ کبر والے کی زندگی بنتی ہے، وہ کامیاب ہوتا ہے، وہی چھا جاتا ہے اور یہاں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ عاجزی والے کی زندگی بنتی ہے، جو عاجز ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتا ہے، وہاں یہ ہے کہ مالدار کی زندگی بنتی ہے خواہ ظلم سے مال لیتا ہے یا قتل کر کے لیتا ہے اور یہاں یہ ہے کہ اخلاق والے کی دنیا بنتی ہے خواہ اس کے پاس مال ہو یا نہ ہو۔ یہ تو دو ترتیبیں ہیں جو آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ ایک ترتیب والوں نے اپنی ترتیب پر چل کر نتائج حاصل کئے ہوئے ہیں، وہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کفارِ مکہ جب مذاق اڑاتے تھے کہ ان کو دین دین کہہ کر دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ گویا ایسی بات کہی جا رہی ہے کہ ہونے والی نہیں ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی تو اس نے کہا: اوہو! یہ آدمی جس کی زبان میں لکنت ہے، ہمارے ہاں پلا ہوا ہے، ساتھ دینے والا بھی اس کا کوئی نہیں ہے اور عجیب بات کہہ رہا ہے کہ کامیابی اس کے طریقۂ کار میں ہے۔

کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے؟ کیا یہاں کے بہتے ہوئے دریاؤں کا مالک میں نہیں ہوں؟ اور کیا اتنی قوت اور اتنے وسائل میرے ہاتھوں میں ہوتے ہوئے میں کامیاب نہیں ہوں اور یہ کامیاب ہے؟ اس کو تو بولنا ہی نہیں آتا، زبان اس کی اٹکتی ہے، لکنت ہے اس میں اور ترتیب کیسی دے رہا ہے کہ کروفر کے مقابلے میں عاجزی کا کہہ رہا ہے، مال و دولت جمع کرنے کے مقابلے میں خیر، خیرات کا کہہ رہا ہے اور لوگوں کو دبانے کے بجائے خدمتِ خلق کا کہہ رہا ہے! یہ تو کوئی چلنے والی ترتیب ہے ہی نہیں۔ اور اسی قریش مکہ کہہ رہیں کہ دین دین کہہ کر ان کو دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے، یہ تو چلنے والی بات ہے ہی نہیں جو یہ کہہ رہے ہیں، یہ کہاں چلے گی؟ واقعی یہ دور ایک صبر آزما دور ہوتا ہے لیکن صالح ترتیب باطل ترتیب کو توڑتی ہے اور اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کو لیتی ہے۔ اس کو جب چالو کر کے ایک چھوٹا سا معاشرہ بناتے ہیں پھر وہ پھیلتا ہے تو اس کی رحمتیں برکتیں سامنے آتی ہیں یہاں تک کہ باطل کو مٹا دیتا ہے۔ حضور ﷺ جب دنیا سے پردہ فرما رہے تھے تو جزیرہ نما عرب سے کفار کا اخراج ہو گیا تھا اور اسلامی نظام قائم ہو گیا تھا۔ اسلامی نظام جب قائم ہوتا ہے تو بڑی شدت سے باطل اکٹھا ہو کر، بپھر کر اس پر حملہ کرتا ہے تاکہ اس کو توڑا جائے اور باطل کو پھر لایا جائے، جس باطل کی وجہ سے ہماری سرداری قائم ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور، وہ دور ہے کہ ڈھائی سال کفر نے ردِعمل کر کے حق کو توڑنے کیلئے سخت ٹکراؤ کیا ہے لیکن کمر باندھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور دندان شکن جواب دے کر باطل کو ملیا میٹ کر دیا۔ اس جدوجہد کی برکت سے دورِ فاروقی میں پھر اسلام کا پھیلاؤ ہو سکا ہے کیونکہ باطل کی سب رکاوٹوں کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روند کر میدان صاف کر دیا تھا۔ چنانچہ جس جگہ پر بھی اطلاع جاتی تھی کہ ایسا نظام تمہارے قریب قائم ہو گیا ہے کہ جس میں ایسا عدل و انصاف ہے، ایسی خوشحالی ہے، ایسی آسودگی ہے، ایسی حفاظت ہے، ایسی انسانوں میں مساوات ہے تو سننے والا انسان اندر سے چاہتا تھا کہ یہ چیز ہمیں بھی نصیب ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اور ان کے ماحول نے باطل کے نظام کی

بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔اس لئے ان کے لشکر جا کر جس علاقے کو لے رہے ہوتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اوران کی زندگی کی ترتیب کو پہلے سے ہی اس علاقے کے لوگوں نے دلی طور پر قبول کیا ہوا ہوتا تھا۔

جب شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت کی جنگ میں ہندوستان کو فتح کیا اور اجمیر شریف تک جا کر پرتھوی راج کے مرکز کوتوڑا تو صبح اس نے دور سے اذان کی آواز سنی تو اس کو حیرت ہوئی کہ ہمارے ملک فتح کرنے سے پہلے یہاں کون اذان دے رہا ہے۔لوگ تحقیق حال کے لئے پہنچے تو وہاں دیکھا کہ کچھ فقراء، کچھ اللہ والے بیٹھے ہوئے ہیں اورانہوں نے اذان دی ہے۔ یہ آگے بڑھا تو دیکھا کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے مجھے خواب میں بشارت دی تھی کہ تم آؤ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح نصیب فرمائے گا۔ یہ شخص کون تھا! حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے شہاب الدین غوریؒ کے لشکروں اوراسلحوں اورفوجوں کے داخل ہونے سے پہلے اپنی روحانی قوت سے ہند کی باطل قوت کوتوڑ دیا تھااوران کے مرکز میں اپنی روحانیت کا جھنڈا گاڑھ دیا تھا۔شہاب الدین غوریؒ پہلا آدمی ہے جس نے مرکز میں اسلامی حکومت قائم کی ہےاوراپنے غلام قطب الدین ایبک کو یہاں بطور بادشاہ کےاورنائب کے چھوڑا ہے۔

تو عرض میں یہ کرر ہا تھا کہ ہم اور آپ تزکیہ حاصل کر کے باطن میں یہ صفات حاصل کریں گےتو ایک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی اور دوسرا یہ کہ ہماری زندگی ایسی پرکشش ہوگی ، ہمارا ماحول معاشرہ ایسا پرکشش ہوگا کہ کفار کواپنی طرف کھینچے گا۔

سپین مسلمانوں نے کیسے فتح کیا؟ اس زمانے میں لڑکیوں کے کالج یونیورسٹیاں نہیں ہوتی تھیں۔ بڑے خاندان کے لوگ اپنی لڑکیوں کوادب وآداب اورتہذیب ثقافت سکھانے کیلئے بادشاہ کے محل میں بھیجتے تھے۔ بادشاہ کا نام راڈرک تھا۔کاؤنٹ جولیان ایک علاقے کا نواب تھا۔اس نے اپنی بیٹی فلورینڈا کو بھیجا شاہی محل میں زندگی کے آداب سیکھنے کیلئے۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ زیادتی

کر لی، اس نے آ کر فریاد باپ کے سامنے کی۔ اس نے کہا اچھا اب میں عدل و انصاف والے مسلمانوں کو بلاؤں گا کہ اس بادشاہ کی کھوپڑی میں سوراخ کریں اور اس ظالم سے حکومت لیں۔ تو یہ کاؤنٹ جولیان ہی تھا جس نے موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے گورنر کو بلایا تھا۔ چنانچہ اس نے طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا جس نے سپین کے ساحل پر اتر کر کشتیاں جلادیں۔ فوجیں حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے! آدمی پہلے مورچہ بندی کرتا ہے First & Second line of defense بناتا ہے، سپلائی لائن بحال کی جاتی ہے، Retreat یعنی شکست کی صورت میں واپس ہونے کا راستہ درست کیا جاتا ہے۔ امیر صاحب عجیب امیر صاحب ہے، سب کو چلا رہا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔ امیر صاحب کو پتہ تھا کہ اس ملک کو ہماری روحانیت نے پہلے ہی سے فتح کیا ہوا ہے اور اس کے عوام کے دل ہم نے فتح کیے ہوئے ہیں، اب صرف اس کرائے کی فوج سے نمٹ کر اس ملک کو لینے کیلئے آگے بڑھنا ہے۔ بس صرف دو دو ہاتھ ہونے ہیں اور کرائے کی فوج نے میدان چھوڑنا ہے، کوئی مشکل کام ہی نہیں ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس نے گھس کر براہراست دارالخلافہ میڈرڈ پر وار کیا اور فتح کر کے دم لیا۔

عرض یہ تھی کہ ہم اور آپ ان صفات پر اگر آئیں اور یہ روحانی قوت حاصل کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد ان شاء اللہ ہمارے ساتھ ہوگی اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب کر کے چھوڑے گا۔ فلا تھنو و لا تحزنو و انتم الاعلون ان کنتم مومنین ۔گھبراؤ نہیں، غم نہ کھاؤ، تم ہی غالب ہوگے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو جاؤ، تم کامل ہو جاؤ۔

چاہتے تو سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

اقبال نے کہا کہ اتنی بلندی پر تو ہر کوئی پہنچنا چاہتا ہے لیکن ایسا صحیح دل، ایسا صاف دل جو اس کے قابل بناتا ہے وہ تو پہلے کوئی پیدا کرے۔

(جاری ہے)

پچھلے شمارے کے ایک ملفوظ کی تحقیق

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

پچھلے شمارے میں ملفوظاتِ شیخ کے عنوان کے تحت ایک جملہ تحریر ہوا تھا کہ ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے، ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ حوالہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دیا گیا تھا۔ اس کی طرف برادرِ طریقت محترم گوہر رحمان صاحب نقشبندی فریدی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ نے توجہ دلائی کہ مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی صاحب کے بقول یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ نہیں بلکہ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کا مقولہ ہے۔ جناب گوہر رحمان صاحب کو شکریے کا پیغام (Message) بھیج کر بندہ نے مولانا طفیل صاحب، مولوی بلال صاحب اور قاضی طلال صاحب ایڈووکیٹ (ایل ایل ایم) کے یہ کام حوالے کیا کہ اس جملہ کی تحقیق کریں۔ مندرجہ ذیل تحقیق سامنے آئی۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق جملہ بالکل معیاری ہے۔ عُمرانی اور سیاسی لحاظ سے بہت پختہ ہے۔ فلسفہ اور منطق کے ترازو میں خوب وزنی ہے۔ اس طرح کا جملہ الطاف حسین کی طرح کرتوتوں والا آدمی کبھی کہہ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ مقدمہ ابنِ خلدون میں روایت بالمعنی کی صورت میں موجود ہے لیکن کسی حوالے کی طرف منسوب نہیں ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہٗ اللہ کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ تفسیری روایت کے طور پر متعدد تفاسیر مثلاً روح المعانی، تفسیرِ کبیر، روح البیان (اسماعیل حقی) اور تفسیرِ مظہری میں بھی یہ جملہ موجود ہے۔ بعض نے اس کو نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے، بعض نے اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت نے اس کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نہیں کی ہوئی۔

دراصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے بعد ایک عرصہ تک بنواُمیہ کی خلافت

رہی جن کے دور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف فضا رہی یہاں تک کہ جمعہ کے خطبہ میں ان کے خلاف کلمات بولے جاتے تھے جنہیں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہٹا کر ان کی جگہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی

وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ (النحل:۹۰)

کا اضافہ کیا۔ اس لئے باوجود حضور ﷺ کی طرف سے ''باب العلم'' کا خطاب ملنے کے حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں کم ہیں۔ ایسے ہی دیوان کے علاوہ ان کی باقی تعلیمات تحریری شکل میں زیادہ نہیں ہے۔

البتہ اہلِ تشیع کی کتاب نہج البلاغۃ اور غرر الحکم میں اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول لکھا ہوا ہے۔ نہج البلاغۃ اہلِ تشیع کی کتاب ہونے کی وجہ سے معیاری کتاب تو نہیں ہے لیکن اس کی بعض بحثیں جو قرآن وسنت کی اہلِ سنت والجماعت کی متفق علیہ تعلیمات کے خلاف نہیں ان کو رد کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ روحانیت والے لوگ جو کلام کا نور محسوس کرتے ہیں کے بقول اس جملے میں پورا نور ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کا بھی ہوسکتا ہے۔

(صفحہ نمبر ۲۹ سے آگے)

کیونکہ جماعت کے فوت ہونے کا خطرہ تھا، پھر ہالینڈ والی بات یاد آئی تو ان لوگوں کو ساتھ لے گیا اور اس سڑک پر ڈال کر گھر آ گیا اور جماعت کی نماز تک بھی پہنچ گیا۔

واپس آ کر ایک دن میں دفتر میں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ آپ لوگوں پر ایسے ہی ٹائی پتلون کا رعب ہے حالانکہ میں قمیض شلوار اور ٹوپی کے ساتھ یورپ میں گھوم پھر کر آیا ہوں اور سوٹ بوٹ والوں سے اچھا رہا۔ بعض ساتھی حیران ہوئے لیکن جن ساتھیوں کو میرے سلسلے اور مرشد کے بارے میں علم ہے انھوں نے کہا کہ ویسے تو یہ بات مشکل ہے مگر آپ کے پیچھے آپ کے مرشد کی توجہ تھی اس لئے آپ کے لئے آسان رہا۔

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام (قسط۔۴)

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

اس سلسلے میں شیخ الہندؒ کی زندگی کے تین واقعات ملاحظہ کیجیے۔ یہ عاجزی وفروتنی آج بھی عوام سے زیادہ خواص سے اتباع وتقلید کا مطالبہ کررہی ہے۔ قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں اکثر مساجد میں کسیر بچھادی جاتی تھی جو نرم بھی ہوتی تھی اور گرم بھی، یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے، جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لیے لے آتے تھے، اسے دیہات کا قالین یا نرم گدہ سمجھنا چاہیے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی مسجد میں بھی سردیوں میں برابر اس کا فرش ہوتا تھا، موسم سرما آنے پر ایک دن خود ہی طلبہ سے فرمایا کہ آؤ بھئی مسجد کے لیے کسیر لے آویں، چار طلبا کے ساتھ ہو لیے، انھیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے، وسطِ باغ میں تالاب بھی تھا اور اس پر کسیر بہ کثرت پیدا ہوتی تھی، چنانچہ کسیر کاٹی گئی، خود حضرت بھی درانتی سے کاٹنے میں شریک رہے، کاٹ کر جمع شدہ ذخیرے کے پانچ گٹھر بنائے، طلبا نے عرض کیا کہ حضرت پانچ گٹھڑیاں کیوں بنائی گئی ہیں ہم تو چار ہیں، فرمایا اور میرا حصہ کہاں گیا؟ یہ کہہ کر چار بڑی بڑی گٹھڑیاں تو طلبا کے سروں پر رکھوائیں اور ایک اپنے سر پر رکھی، ہر چند طلبا بہ ضد ہوئے کہ حضرت اس ذخیرے کی چار گٹھڑیاں کردی جائیں ہم کافی ہیں، کچھ زیادہ بوجھ نہیں، مگر حضرت نے نہ مانا، چار گٹھڑیاں طلبا کے سروں پر اور ایک اپنے سر پر رکھ کر یہ قافلہ چلا۔ شہر میں آیا اور بازار کے ایک حصے میں سے گذرا، ان طلبا کو تو ممکن ہے کہ سر پر گھاس رکھ کر بازار میں سے گذرنے پر کچھ عار آرہا ہو لیکن حضرت کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ گویا اپنے کو اس بوجھ اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر شہر سے گذر رہے تھے، دیہات والے بھی اب جسے پسند نہیں کرتے موصوف کے یہاں وہ بوجھ ایک معمولی بات تھی۔"

(قاری محمد طیبؒ، ''پچاس مثالی شخصیات''، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحہ ۴۲۲)

قاری محمد طیبؒ اسی واقعے سے متصل ایک اور واقعہ بھی نقل کرتے ہیں جس میں تواضع، خاکساری، للّٰہیت، شفقت، محبت اور حسن ادا سب ہی اسباق موجود ہیں، قاری صاحب لکھتے ہیں:

"میرے خسر مولوی محمود صاحب رام پوری فرماتے تھے کہ وہ دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں چھوٹی مسجد میں رہا کرتے تھے، جس میں حضرت مفتیٔ اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا قیام تھا، اس زمانے میں طلبا میں چارپائی کا دستور نہ تھا، سادگی اور تواضع سے عموماً طلبہ زمین پر لیٹتے تھے۔ مولوی صاحب باوجود رئیس گھرانے کا ایک فرد ہونے کے عام طلبا کی طرح فرشِ زمین پر ہی اپنے حجرے میں لیٹا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا موصوف سے اور رام پور کے اس گھرانے سے بہت گہرا اور مخلصانہ تعلق تھا اور مولوی محمود صاحب مرحوم سے یوں بھی خصوصیت زیادہ تھی، ایک دن حضرت شیخ الہندؒ چھوٹی مسجد میں تشریف لائے اور مولوی محمود صاحب کے حجرے پر گذر ہوا، یہ زمین پر فرش بچھائے لیٹے تھے، فرمایا: محمود! تیرے پاس چارپائی نہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت چارپائی تو نہیں ہے، مجھے زمین پر لیٹنے کی عادت ہوگئی ہے، اس سے بہت متاثر ہوئے مگر فرمایا کچھ نہیں، اگلے دن دوپہر کا وقت تھا گرمی شدید تھی، لو چل رہی تھی کہ مولوی صاحب نے کھڑکی سے دیکھا، حضرت اپنے کندھے پر ایک چارپائی لیے خود تشریف لا رہے ہیں، وزنی چارپائی ہے مگر اسے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ مولوی صاحب صورت حال دیکھتے ہی حجرے سے نکل ننگے سر اور ننگے پیر حضرت کی طرف دوڑے، حضرت انھیں بھاگتا ہوا دیکھ کر وہیں سڑک پر کھڑے ہوگئے اور چارپائی زمین پر رکھ دی، جب قریب پہنچے تو ایک خاص انداز سے فرمایا جناب یہ لے جاؤ اپنی چارپائی مجھ سے نہیں اٹھتی، میں بھی شیخ زادہ ہوں مجھ سے یہ چارپائیاں نہیں گھسیٹی جاتیں۔ یہ فرما کر پیٹھ پھیر لی اور گھر روانہ ہوگئے، مولوی صاحب کچھ کہنے ہی نہ پائے اور چارپائی اٹھا کر حجرے میں لے آئے، گویا انھیں کوئی کلمۂ معذرت بھی نہیں کہنے دیا کہ وہ معنی ثناءِ حسن ہو جاتی۔"

(قاری محمد طیبؒ، "پچاس مثالی شخصیات"، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحہ ۴۲۳)

شیخ الہندؒ: بہ یک وقت اپنے معمول کی پابندی اور طلبا کی رعایت:

قاری محمد طیب صاحب ہی نقل کرتے ہیں کہ:

"حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی عادت تھی کہ ہر جمعرات کو حضرت گنگوہیؒ کے پاس حاضری کے لیے گنگوہ کا سفر پیدل کرتے تھے، جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا، اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے، گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل ہے، حضرت اذان عصر پر چلتے اور عشا گنگوہ پڑھ لیتے تھے۔ جمعے کا پورا دن حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں گزار کر اذان عصر کے قریب گنگوہ سے واپس ہوتے اور عشا دیوبند میں پڑھ لیتے تھے۔ برس ہا برس یہ معمول رہا، سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا تھا۔

مولوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلبا نے اصرار کیا کہ حضرت ہم بھی ساتھ چلیں گے، فرمایا اچھا، مگر اس دن حضرت نے ان طلبا کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کے بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو، تو کمہار کا ایک ٹٹو کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ دو تین طلبا اترتے چڑھتے چلے جائیں گے، چناں چہ کمہار ٹٹو لے کر دار العلوم کے دروازے پر آ گیا، حضرت حسبِ معمول اذانِ عصر کے قریب درس سے اٹھے، یہ طلبا بھی حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی میاں محمود پہلے تم سوار ہو پھر باری باری ہم بھی سوار ہوتے رہیں گے، انھوں نے حضرت کے سوار ہونے پر اصرار کیا تو حضرت نے نہ مانا اور زبردستی مولوی محمود صاحب کو سوار کر دیا، دو طلبا اور خود حضرت پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے بلکہ ایک قچی لے کر ٹٹو کو ہنکانا بھی اپنے ذمے لے لیا۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں مگر مجبور تھا حکم یہی تھا، دو چار میل چل کر یہ ٹٹو سے اتر گئے تو حضرت نے زبردستی دوسرے طالب علم کو بٹھا دیا اور خود ٹٹو ہانکتے جا رہے ہیں، چار پانچ میل کے بعد دوسرے طالب علم کو چڑھا دیا۔ غرض تیس میل کا سفر پورا طے ہو گیا مگر خود نہیں چڑھے باری باری ان طلبا کو بٹھاتے رہے، اس وقت

معلوم ہوا کہ یہ ٹٹو اپنے لیے کرائے پر نہیں لیا تھا بلکہ ان طلبہ کے لیے شفقتاً لیا گیا تھا۔ جمعے کو واپسی ہوئی تو طلبہ گھبرائے کہ اب پھر وہی معاملہ ہوگا کہ ہم ٹٹو پر سوار ہوں گے اور حضرت پیدل چلیں گے، باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹٹو پر سوار کر دیں۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا ترکیب تو میں کردوں گا کہ حضرت پورے راستے ٹٹو سے نہ اتر سکیں مگر ایک دفعہ سوار کر دینا ہے۔ چناں چہ جب گنگوہ سے روانگی ہوئی تو حسبِ معمول طلبا پر زور دیا کہ سوار ہو مگر یہ لوگ ایکا کر چکے تھے عرض کیا کہ حضرت آتے ہوئے ہم سوار رہے اب واپسی میں یہ نہیں ہوگا، حضرت سوار ہوں خواہ پھر اتر لیں مگر ابتدا حضرت ہی کے سوار ہونے سے ہوگی۔

جب یہ سب اکٹھے ہو کر بہ ضد ہوئے تو آخر حضرت نے قبول فرمالیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔ طلبا نے چپکے سے مولوی محمود سے کہا کہ تم اب وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیوبند تک ٹٹو سے نہ اترنے پائیں، چنانچہ مولوی صاحب نے وہ مؤثر نسخہ استعمال کیا کہ جب حضرت سوار ہو گئے تو انھوں نے ٹٹو کے برابر میں آ کر حضرت نانوتویؒ، حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت حافظ شہیدؒ وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا ذکر چھڑتے ہی ان میں محو ہو جاتے تھے اور پھر ادھر اُدھر کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ ان حضرات کا ذکر چھڑتے ہی جو حضرت نے ان بزرگوں کے واقعات بیان کرنے شروع کیے تو حضرت کو نہ راستے کی خبر رہی نہ ان طلبا کی، پورے تیس میل کا سفر طے ہو گیا، ندی آ گئی جو دیوبند سے تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہو! ندی آ گئی اور یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے۔ فرمایا بھائی میں نے تم سب کا حق مار لیا لو جلدی سے تم سوار ہو، طلبہ نے ہر چند حضرت کے بیٹھنے کا اصرار کیا مگر حضرت تہیہ فرما چکے تھے کسی کہ نہیں سنی، باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا، شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبا سوار ہیں اور حضرت پیدل ہیں، قمچی ہاتھ میں ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں جس سے طلبا بچنا چاہتے تھے بالآخر وہی چیز پھر سامنے آ کر رہی۔ سبحان اللہ بے نفسی اور شفقت کی انتہا ہے۔" (حوالہ بالا، صفحہ ۴۲۴۔۴۲۵) (جاری ہے)

جناب حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے خطوط بنام پروفیسر احمد عبدالرحمان الصدیقی صاحب رحمۃ اللہ

(قاضی محمد طلال سلجوقی ایڈووکیٹ، وِزٹنگ لیکچرر شریعۃ اینڈ لاء ڈیپارٹمنٹ، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور)

۲۔

(یہ خط غالباً تین نشستوں میں لکھا گیا ہے، لفافے پر مکتوب الیہ کا پتہ یوں درج ہے: محترم مولانا الحاج احمد عبدالرحمان صاحب فاضلِ حقانیہ شریک دورۂ تفسیر قاسم العلوم، خدام الدین، شیرانوالہ گیٹ، لاہور)

۲۲ر رمضان ۱۳۸۳ھ (بمطابق ۱۹۶۴ء تقریباً)

برادر محترم مولانا الحاج احمد عبدالرحمان صاحب، فاضلِ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک و فاضل وفاق المدارس العربیہ زیدت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے اس دن آپ کے خط کا ذکر کیا۔ خط دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ الحمدللہ کہ آں جناب بزرگوں کی آغوشِ تربیت وشفقت میں فیوض وبرکات سے متمتع ہو رہے ہیں۔ اس ناچیز کو بھی دعواتِ صالحہ میں یاد فرمایا کریں۔ یہاں ترجمہ ان شاءاللہ العزیز ۲۷ر رمضان المبارک کو ختم ہوجائے گا۔ پچاس طلبہ شریک ہیں۔ اکثر طلبہ نے سند دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ میں نے کافی معذرت کی۔ مگر وہ مصر ہیں۔ ناچیز کو اپنی کم علمی اور نالائقی پیش نظر ہے اور سند بزرگوں کا کام ہے۔ طلبہ کے شدید اصرار کے بعد ناچیز نے سند کا مسودہ لکھا جو اکثر حضرت مرشدی ومولائی حضرت قبلہ شیخ التفسیر لاہوری قدس اللہ اسرارہم کی سند سے تبرکاً نقل کیا ہے۔ اس مسودہ پر حضرت قبلہ حافظ الحدیث صاحب درخواستی دامت برکاتہم کا دستخط لیا ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب

دامت برکاتہم کا دستخط بھی لوں گا۔ چونکہ وہ کل پشاور گئے ہیں اس لئے ان سے بعد میں دستخط لوں گا۔
آپ مہربانی فرما کر اس مسودہ پر حضرت مخدومی حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہم سے دستخط لے لیں اور بہت جلد واپسی لفافہ میں بھیج دیں، تاکہ ۲۷؍ تک اس کی طباعت اور کتابت ہو سکے۔ آپ کی اس کرم فرمائی کا ممنون رہوں گا۔ یہ عریضہ حضرت مخدومی مولانا صاحب مدظلہم کو پیش فرما دیں۔ مخدومی مولانا حمید اللہ صاحب اور واقفین حضرات کو تسلیمات عرض ہیں۔ والسلام۔ شیر علی شاہ کان اللہ لہٗ۔

دفتر کے جملہ ناظمین اور طلبۂ درس تسلیمات عرض کر رہے ہیں۔ دعاؤں میں ضرور یاد فرمایا کریں اور حضرت قبلہ مولانا عبید اللہ انورؔ صاحب سے بھی اس ناچیز کے لئے دعاؤں کی درخواست کریں۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ مسودہ کو منسلکہ لفافہ میں بند کر کے بھیج دیں۔

والسلام۔ شیر علی شاہ

حضرت مولانا درخواستی کے دستخط کے نیچے حضرت مخدومی مولانا عبید اللہ صاحب انورؔ سے دستخط لے لیں۔ دوسری جانب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب دستخط کریں گے۔ والسلام

شہزاد نور طالب علم جو آپ کے ساتھ شریک دورۂ حدیث تھا، وہ عید کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ انورؔ صاحب کے ترجمہ میں شرکت کے خیال سے حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیا وہ داخل ہوسکتا ہے؟ فقط۔

(صفحہ نمبر ۳۳ سے آگے)

سوال: اگر میت کو بلا نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: تین دن کے اندر اندر اس کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ پڑھ لینا چاہیے۔ اگر کسی نے بھی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تو تمام بستی والے گنہگار رہوں گے، لہٰذا جو طریقہ نمازِ جنازہ کا لکھا گیا ہے اس طرح تین چار آدمی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ اگر دعا وغیرہ یاد نہ ہو تو جو دوسرا طریقہ بتا دیا گیا ہے یعنی چار تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیں یا قریب کسی جاننے والے کو بلا کر پڑھوا دیں اور نمازِ جنازہ یاد کرنا شروع کر دیں۔ (بحوالہ تعلیماتِ اسلام حصہ دوم)

—— ختم شد ——

سفرنامہ یورپ

(جناب گل قیاز صاحب، صدر ایگریکلچر فنانس ڈویژن و گروپ وائس پریزیڈنٹ خیبر بینک، پشاور)

اقوامِ متحدہ کی تنظیم برائے خوارک وزراعت (FAO) اور سٹیٹ بینک آف پاکستان کے مشترکہ Exchange Learning Programe کے تحت بندہ کا ہالینڈ اور سربیا کا دس روزہ دورہ ہوا۔ اس دورے میں خوراک وزراعت کی تنظیم کے علاوہ ہم دس ساتھی پاکستان سے شامل تھے۔ روانگی سے پہلے مجھ پر اپنے ادارے کے افسران کا دباؤ تھا کہ بیرون ملک دورے پر کوٹ پتلون پہنوں۔ میں نے اپنے مرشد جناب حضرت ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے حوصلہ دیا کہ ادارہ مجھ سے قانوناً ایسا نہیں کرواسکتا کیونکہ پاکستان کا قومی لباس قمیص شلوار اور شیروانی ہے۔ ادارے کا زور اتنا بڑھا کہ مجھے دو جوڑے کوٹ پتلون کا انتظام کرنا پڑا۔ درزی سے پتلون کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر کروائے۔ وقت چونکہ کم تھا تو درزی نے جلدی میں ایک کوٹ تنگ بنایا لہٰذا اسے یہیں چھوڑا اور کوٹ پتلون کا ایک ہی جوڑا سامان میں رکھا اور پروگرام کے مطابق قمیض شلوار کے جوڑے رکھ لئے۔ وہ ایک جوڑا کوٹ پتلون بھی اس نیت سے رکھا کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں استعمال کروں گا۔ وہاں پہنچ کر جب سامان کھولا تو دیکھا کہ پتلون کوٹ والے جوڑے پر بڑے بڑے کالے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اب تو اس کو استعمال نہ کرنے کا جواز بھی بن گیا لہٰذا میں ہر جگہ قمیص شلوار اور ٹوپی ہی پہنتا رہا۔

پروگرام کے مطابق ہم نے دونوں ملکوں کے کچھ سرکاری اور مالیاتی اداروں کے افسران سے میٹنگ کرنی تھی اور پراجیکٹ دیکھنے تھے۔ سب سے پہلے جس چیز نے مجھے شش و پنج میں ڈالا وہ خواتین افسران سے مصافحہ کرنا تھا۔ پہلی ملاقات کے لئے ہم جس ادارے میں گئے وہاں متعلقہ شعبہ کی سربراہ ایک خاتون تھی۔ پروٹوکول کے مطابق اس شعبے کے ذمہ دار عملہ نے، جن میں سربراہ کے علاوہ دیگر خواتین بھی شامل تھیں، دفتر سے باہر آکر وفد کا استقبال کیا اور فرداً فرداً مصافحہ شروع کیا۔

میری طرف جب خاتون سربراہ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ نہ اٹھ سکا اور اس کے گڈ مارننگ کے جواب میں گڈ مارننگ کہا۔ اس نے میرا یہ عمل برا نہیں مانا اور مسکرا کر دوسرے مہمانوں سے مصافحہ کرنے لگی۔ میرے اس عمل کو سب مہمانوں اور میز بانوں نے دیکھا اور میں بڑا پریشان بھی ہوا۔ دل میں کہنے لگا کہ یہ میں کدھر پھنس گیا۔ خیر میٹنگ شروع ہوئی۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو میں میٹنگ سے نکلا۔ انہوں نے نماز کے لئے دوسرے کمرے میں جگہ دی اور قبلے کا رخ معلوم کرنے میں میری مدد کی۔

اس کے بعد ہم ایک دوسرے ادارے میں میٹنگ کے لئے گئے۔ وہاں پر خواتین مصافحے کے لئے آگے بڑھیں۔ میں نے اپنے آپ کو پیچھے رکھا اور سوچتا رہا کہ کوئی صورت ایسی نکلے کہ مصافحہ سے بچ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری مدد فرمائیں۔ اس پر میرے ذہن میں خیال آیا کہ جب خواتین مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے کریں تو میں اپنا وزیٹنگ کارڈ تھما دیا کروں۔ فوراً اس خیال پر عمل کیا جو کہ بڑا اچھا رہا۔ بس اس کے بعد جہاں کہیں ضرورت پڑتی تو اسی طرح کرتا رہا۔

ایک روز تو میں بڑا حیران ہوا۔ پروگرام کے مطابق ہم ایک ادارے میں میٹنگ کے لئے پہنچے۔ یہاں ہماری میٹنگ دس بجے سے دوپہر دو بجے تک ہونی تھی جس میں کھانا بھی شامل تھا۔ یہاں استقبال کے وقت جس خاتون سے میں نے مصافحہ کی بجائے اپنا کارڈ دیا تھا اس نے میٹنگ کے دوران بارہ بجے میرے پاس آکر بتایا کہ آج جمعہ ہے اور اگر میں جمعہ پڑھنا چاہوں تو وہ لوگ مسجد تک میری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ میں بڑا چونکا کیونکہ مصروفیات کی وجہ سے میں بھول گیا تھا کہ آج جمعہ ہے۔ میں نے فوراً ہاں کر دی۔ انھوں نے بتایا کہ نمازِ جمعہ سوا ایک بجے ادا ہوتی ہے۔ اب مجھے مسجد تک لے جانے کا مسئلہ پیدا ہوا کیونکہ ہماری گاڑی واپس جا چکی تھی اور ہمیں لینے دو بجے دوبارہ آنی تھی۔ وہاں پر ادارے کے سب لوگوں کے پاس سائکلیں تھیں، گاڑی تھی نہیں جو مجھے کوئی مسجد پہنچا دیتا۔ وہاں بڑے بڑے افسر، ڈائریکٹر کے عہدے تک کے، سائیکل استعمال کرتے ہیں اور سائیکل پر ڈبل سواری

ہو نہیں سکتی تھی۔ آخر کار انھوں نے میٹنگ اور کھانا ایک بجے تک ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور ہماری گاڑی جلد واپس بلا لی۔ اس طرح مجھے جمعہ پڑھنے کا موقع ملا۔ اسی خاتون نے کھانے پر حلال چیزوں کی نشاندہی بھی کی۔ میں بعد میں سوچتا رہا کہ شریعت کے ایک حکم پر عمل کرنے کی برکت سے (یعنی خواتین سے مصافحہ نہ کرنا) دو چیزیں یعنی نمازِ جمعہ اور حلال کھانا مفت میں مل گئے۔

ہالینڈ سے سربیا جاتے ہوئے ہوائی اڈے پر بھی بڑا اچھا سلوک ہوا۔ حفاظتی اقدامات کے طور پر سامان کے ساتھ ساتھ کاغذات، نقد رقم، پاسپورٹ وغیرہ بھی جیبوں سے نکال کر مشینوں پر سے گزارنا تھا۔ سب لوگوں سے جوتے تک اتروا کر مشین پر سے گزارتے تھے۔ میں نے بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی سارے کاغذات، پاسپورٹ اور سامان جوتوں سمیت نکال کر ٹرے میں رکھ دیے تاکہ سکیننگ مشین پر سے گزر جائیں، مگر وہاں پر موجود عملے نے میرے جوتے واپس کرتے ہوئے پہننے کو کہا۔ اس کے بعد جسمانی تلاشی والے آدمی نے بھی بڑے احترام سے چیکنگ کی۔ میرے بعض ساتھیوں نے اس اچھے سلوک پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یورپ والے یہ نہیں چاہتے کہ ان کے بارے میں یہ تأثر ہو کہ وہ اسلام یا مسلمانوں کے خلاف ہیں اس لئے آپ سے اتنا اچھا برتاؤ کیا۔ بہرحال وجہ جو بھی تھی مجھے سہولت رہی۔

سربیا میں بھی میرا یہی معمول رہا جو ہالینڈ میں تھا۔ وہاں بھی مجھے قمیص شلوار ٹوپی پہننے اور خواتین سے مصافحہ نہ کرنے پر کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یوگوسلاویہ کے ٹوٹنے کے بعد تین ممالک، بوسنیا، سربیا اور کوسووو وجود میں آئے۔ سربوں نے مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ سربیا کے دارالحکومت بلغراد میں ظہر کی نماز کے لئے اقوامِ متحدہ کے نمائندے نے مسجد تک رہنمائی کی۔ مسجد چھوٹی تھی اور نمازی بھی تھوڑے تھے۔ ایک آدمی سے میں نے بات کرنا چاہی تو وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں نے ایسے ہی بات بڑھانے کے لئے پوچھا کہ یہاں پر حلال کھانے کا کوئی ہوٹل ہے تو اس نے جواباً کہا کہ ان لوگوں پر اعتبار نہ کرنا، اور جلدی سے چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہاں کے مسلمان کافی دباؤ

میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں۔

سربیا میں وزارتِ زراعت کے ایک افسر کے علاوہ باقی سارے لوگوں سے جو میٹنگ ہوئیں انھوں نے سرب زبان میں بات کی اور اقوامِ متحدہ کا مقامی نمائندہ ترجمہ کرتا رہا۔ بلغراد میں ایک سرکاری ادارے میں میٹنگ کے لئے جب ہم وہاں گئے تو دیگر خواتین کے علاوہ ایک سینئر خاتون جج بھی تھی۔ اس سے جو میں نے حسبِ عادت مصافحہ نہیں کیا بلکہ اپنا کارڈ دیا تو وہ ذرا سنجیدہ ہو گئی اور ساری میٹنگ میں انگریزی نہیں بولی، سرب زبان میں بات کرتی رہی، جس کا ترجمہ انگریزی زبان میں اقوامِ متحدہ کا نمائندہ کرتا رہا۔ یہاں پر کھانے پینے کی چیزوں میں زیادہ مشکل پیش آئی۔ اکثر اوقات پھل، خشک میوے اور چنے جو کہ میں پاکستان سے اپنے ساتھ لے گیا تھا ان پر گزارا کرنا پڑا۔

ایک دن بلغراد سے دور ایک دوسرے شہر میں ہمیں گوداموں کے معائنے کے لئے لے گئے۔ ہمارے ساتھ بلغراد کے ایوانِ صنعت و تجارت کا صدر بھی تھا۔ بہت سردی تھی۔ واپسی پر کھانے کا وقت تھا۔ وہ لوگ ہمیں ایک ہوٹل پر لے گئے۔ یہ جنگل میں سیر و تفریح والے لوگوں کے لئے دیہاتی انداز کا ایک ہوٹل تھا۔ کھانے پینے میں مشکوک چیزوں کی وجہ سے وفد کے ساتھی کافی تنگ ہو چکے تھے۔ انھوں نے مجھے اختیار دیا کہ سب کے لئے کھانے کی کوئی حلال چیز پسند کروں۔ میں نے مسلمان ساتھیوں کے لئے مچھلی بغیر گھی اور تیل کے کہی کیونکہ وہاں کے گھی کا بھی کچھ اعتبار نہیں کہ حلال ہے یا حرام۔ وفد کے دیگر غیر مسلم ارکان نے اپنی پسند کی چیزیں منگوائیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اقوامِ متحدہ کے نمائندے نے حساب لگا کر بتایا کہ ہر آدمی ۱۰۰ دینار اکٹھے کرے تاکہ ہوٹل والے کو کھانے کا بل دیں۔ یہ بات ہم سب پاکستانیوں کو بہت بری لگی۔ بات یہ نہیں کہ ہم نے اپنے پیسوں سے کھانا کھایا بلکہ جس انداز سے انھوں نے رقم کا مطالبہ کیا وہ عجیب تھا۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ کچھ عرصہ پہلے جاپان بینک کی ایک ٹیم ہمارے ادارے آئی۔ انتظامیہ نے مجھے ان کے ساتھ مختلف پراجیکٹ دکھانے کے لئے چارسدہ بھیجا۔ واپسی پر سردریاب میں انھیں میں نے مچھلی کھلائی۔ کھانے

کے بعد ٹیم کا ایک انگریز رکن جو نیوزی لینڈ کا تھا کہنے لگا کہ کیا ہم اپنا اپنا بل دیں گے؟ میں نے کہا کہ جی نہیں، آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں اور ہماری روایات میں مہمانوں سے کھانے کے پیسے نہیں لئے جاتے۔ وہ یہ سن کر بہت حیران ہوا۔

سرکاری مصروفیات کے علاوہ سربیا میں ایک دن ہمیں گھومنے پھرنے کو ملا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ بوسنیا جانا چاہئے تاکہ وہاں کے مسلمانوں سے ملاقات ہو اور ان کے حالات معلوم ہوں۔ سربوں نے حامی بھر لی۔ راستے کی معلومات بھی کیں۔ پتا چلا کہ بلغراد سے بوسنیا کے صدر مقام سرائیوو تک کا فاصلہ صرف ایک سو میل ہے۔ میں خوش ہوا کہ ایک دن میں آنا جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ سڑک اتنی خراب ہے کہ سو میل کا فاصلہ کم از کم سات گھنٹوں میں طے ہوگا تو پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ لگتا ہے سربوں نے قصداً اس سڑک کو خراب حالت میں رکھا ہوا ہے۔

ہالینڈ میں تین چار مواقع پر راستہ پوچھنے پر خواتین نے کافی رہنمائی کی۔ بلکہ بعض دفعہ جب انھیں خود معلوم نہ ہوتا تو انٹرنیٹ پر دیکھ کر یا کسی سے پوچھ کر بتا دیتی تھیں۔ ان کے خدمتِ خلق کے جذبے نے مجھے ایک سبق سکھا دیا۔ واپس آ کر ایک دن حیات آباد میں کسی نے مجھ سے ایک مکان کا پتہ پوچھا۔ میں اپنی گلی سے نماز کے لئے مسجد جا رہا تھا، مجھے مکان معلوم نہ تھا، لہٰذا میں نے اس سے کہا کہ مجھے نہیں پتا۔ دو قدم آگے چل کر میرے دل نے ملامت کی کہ تو ہالینڈ کی لڑکیوں سے بھی بیکار ہے، وہ تو دوسروں سے پوچھ کر تمہیں راستہ بتا دیتی تھیں، تم نے اپنی گلی میں ایک مسافر کی مدد نہیں کی۔ پھر ایک دن میں صبح سویرے چھے بجے اسپتال سے واپس گھر آ رہا تھا کہ ایک ٹرک والے نے راستہ پوچھا۔ میں نے سرسری سمجھا دیا کیونکہ جلدی میں تھا کہ فجر کی نماز کے لئے ساڑھے چھے بجے تک مسجد پہنچ جاؤں۔ اس نے کہا کہ اس طرح تو متعلقہ راستہ معلوم کرنا مشکل ہے، اگر میں اپنی گاڑی میں ان کے آگے آگے جاؤں اور وہ لوگ میرے پیچھے ٹرک میں آئیں اور میں ان کو متعلقہ سڑک پر ڈال کر اپنے راستے چلا جاؤں تو مہربانی ہو۔ پہلے تو میں تیار نہ ہوا کیونکہ

(باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر)

نمازیں

(آخری قسط)

(قاضی فضل واحد صاحب)

نماز کب ساقط ہوتی ہے؟

جب انسان سر کے اشارہ سے بھی نماز نہ پڑھ سکے تو پھر نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

(نماز کی سب سے بڑی کتاب)

عورتوں کی نماز کے طریقے کا فرق

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔

۲۔ ہاتھوں کو دوپٹہ سے باہر نہ نکالے۔

۳۔ سینہ پر ہاتھ باندھے۔

۴۔ درمیان کی تین انگلیاں نہ کلائی پر رکھے اور نہ چھنگلیا اور انگوٹھے سے گٹے کو پکڑے بلکہ صرف داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے۔

۵۔ رکوع میں کم جھکے۔

۶۔ رکوع میں دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں پر رکھتے وقت انگلیوں کو ملائے رکھے۔

۷۔ دونوں بازو پہلو سے خوب ملائے۔

۸۔ دونوں پیروں کے ٹخنے بالکل ملائے۔

۹۔ خوب سمٹ کر اور خوب دب کر سجدہ کرے۔

۱۰۔ سجدہ میں بغلیں نہ کھولے۔

۱۱۔ پیٹ کو دونوں رانوں سے ملائے۔

۱۲۔ دونوں بازوؤں کو پہلو سے ملائے۔

۱۳۔ کہنیوں کو زمین پر رکھ دے۔

۱۴۔ سجدہ میں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے مگر پاؤں کھڑے نہ کرے بلکہ داہنے طرف نکال دے۔

۱۵۔ قعدہ میں بائیں طرف پر بیٹھے۔

۱۶۔ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے۔

۱۷۔ قعدہ اور جلسہ میں انگلیاں ملائے رکھے۔ (بحوالہ تعلیم السنۃ مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ)

نماز قضا ہو جانے کے مسائل

مسئلہ: جس کی کوئی نماز چھوٹ گئی تو جب یاد آئے فوراً اس کی قضا پڑھے، بلا کسی عذر کے قضا پڑھنے میں دیر کرنا گناہ ہے۔

سو جس کی کوئی نماز قضا ہوگئی اور اس نے فوراً اس کی قضا نہ پڑھی، دوسرے وقت پر یا دوسرے دن پر ٹال دیا کہ فلانے دن پڑھ لوں گا اور اس دن سے پہلے ہی اچانک موت سے مر گیا تو دوہرا گناہ ہوا، ایک تو نماز کے قضا ہو جانے کا اور دوسرے فوراً قضا نہ پڑھنے کا۔

اگر دو یا تین یا چار یا پانچ نمازیں قضا ہوگئیں اور سوائے ان نمازوں کے اس کے ذمہ کسی اور نماز کی قضا نہیں رہتی یعنی عمر بھر میں جب سے جوان ہوا ہے کبھی کوئی نماز قضا نہ ہوئی یا قضا تو ہوئی لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے تو جب تک ان پانچوں کی قضا نہ پڑھ لے تب تک ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور جب ان پانچوں کی قضا پڑھے تو اس طرح پڑھے کہ جو نماز سب سے اول چھوٹی ہے پہلے اس کی قضا پڑھے پھر اس کے بعد والی پھر اس کے بعد والی اسی طرح ترتیب سے پانچوں کی قضا پڑھے، جیسے کسی نے پورے ایک دن کی نمازیں نہیں پڑھیں، فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء

چھوٹ گئی تو پہلے فجر، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء اسی ترتیب سے پڑھے، اگر پہلے فجر کی قضا نہیں پڑھی بلکہ ظہر کی پڑھی یا عصر کی یا اور کوئی تو درست نہیں ہوئی پھر سے قضا پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ: اگر کسی کی چھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب بغیر ان کے قضا پڑھے ہوئے بھی ادا پڑھنا جائز ہے اور جب ان چھ نمازوں کی قضا پڑھے تو جو نماز سب سے اول قضا ہوئی ہے پہلے اس کی قضا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جو چاہے پہلے پڑھے اور جو چاہے پیچھے پڑھے سب جائز ہے اور اب ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر چند لوگوں کی کسی ایک وقت کی نماز قضا ہوگئی ہو تو ان کو چاہیے کہ اس نماز کو جماعت سے ادا کریں۔اگر بلند آواز کی نماز ہو تو بلند آواز سے قرأت کی جائے اور آہستہ آواز کی ہو تو آہستہ آواز سے۔

مسئلہ: قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، جس وقت فرصت ہو تو وضو کر کے پڑھ لے البتہ اتنا خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

مسئلہ: اگر وقت بہت تنگ ہے کہ قضا پہلے پڑھے گا تو موجودہ نماز کی ادائیگی کا وقت نہ رہے گا تو پہلے اس وقت کی نماز پڑھ لے پھر قضا پڑھے۔

مسئلہ: جس کی ایک ہی نماز قضا ہوئی اس سے پہلے کوئی نماز اس کی قضا نہیں ہوئی، یا اس سے پہلے نمازیں قضا تو ہوئیں لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے فقط اسی ایک نماز کی قضا پڑھنا باقی ہے تو پہلے اس کی قضا پڑھ لے تب کوئی اور ادا نماز پڑھے، اگر بغیر قضا پڑھے ہوئے ادا نماز پڑھی تو درست نہیں ہوئی، قضا پڑھ کر اس ادا نماز کو پھر پڑھے، ہاں اگر قضا پڑھنا یاد نہیں رہا یا بالکل بھول گیا تو ادا درست ہوگئی، اب جب یاد آئے تو فقط قضاء پڑھ لے ادا کو نہ دہرائے۔

مسئلہ: دو چار مہینہ یا دو چار برس ہوئے کہ کسی کی چھ نمازیں یا زیادہ قضا ہوگئی تھیں اور اب تک ان کی قضا نہیں پڑھی لیکن اس کے بعد سے ہمیشہ نماز پڑھتا رہا کبھی قضا نہیں ہونے پائی، مدت کے بعد اب پھر ایک نماز جاتی رہی تو اس صورت میں بھی بغیر اس کی قضا پڑھے ہوئے ادا نماز پڑھنا درست

ہے اور ترتیب واجب نہیں۔

مسئلہ: کسی بے نمازی نے توبہ کی تو جتنی نمازیں عمر بھر میں قضا ہوئی ہیں سب کی قضا پڑھنا واجب ہے۔ توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہوتیں، البتہ نہ پڑھنے سے جو گناہ ہوا تھا وہ توبہ سے معاف ہو گیا۔

نماز کے فدیہ کا بیان

مسئلہ: اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہو گیں اور ان کی قضا پڑھنے کی ابھی نوبت نہ آئی ہو تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے، نہیں تو گناہ ہو گا۔

مسئلہ: جس کو اتنا بڑھاپا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی یا اتنا بیمار ہے کہ اب اچھے ہونے کی امید نہیں نہ روزے رکھنے کی طاقت ہے تو وہ روزے نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دیدے، یا اسی قدر غلہ کی قیمت دیدے تب بھی درست ہے۔

مسئلہ: وہ گیہوں اگر تھوڑے تھوڑے کر کے کئی مسکینوں کو بانٹ دیوے تو بھی صحیح ہے۔

مسئلہ: پھر اگر کبھی طاقت آگئی یا بیماری سے اچھا ہو گیا تو سب روزے قضا رکھنے پڑیں گے اور جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب ملے گا۔

مسئلہ: اگر کسی کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور وصیت کر کے مر گیا کہ میری نمازوں کے بدلے میں فدیہ دے دینا تو اس کے مال میں سے اس کا فدیہ دیدے اور کفن و دفن اور قرض ادا کر کے جتنا مال بچے اس کے ایک تہائی میں سے اگر سب فدیہ نکل آوے تو دینا واجب ہوگا اور اگر سب فدیہ نہ نکلے تو جس قدر نکلے اسی قدر دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہر روز کی نماز کا اتنا ہی فدیہ ہے جتنا ایک روزے کا فدیہ ہے اس حساب سے دن رات کے پانچ فرض ایک وتر، کُل چھے نمازوں کی طرف سے ایک چھٹانک کم پونے گیارہ سیر گیہوں دیوے مگر احتیاطاً پورے بارہ سیر دیوے۔ (بحوالہ اپنی نمازیں درست کیجئے)

(باقی صفحہ نمبر ۲۴ پر)

حیرت انگیز واقعہ

یوشع، جماعت ہشتم، فرنٹیئر چلڈرن اکیڈمی، پشاور
ولد ڈاکٹر عبیدالرحمٰن صاحب، ایسوسیئٹ پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور، کا

خانقاہ میں بچوں کی ہفتہ وار مجلس میں بیان

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے حضرت عمر بن معدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اپنی تلوار بھیج دیں جو ''صمصام'' کے نام سے مشہور تھی۔ جس نے رستم کے ہاتھی کے پاؤں ایک وار میں کاٹ ڈالے تھے۔ حضرت عمر بن معدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے وہ تلوار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس بھیج دی۔

جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے تلوار چلائی تو اس کو اس مرتبہ سے کم پایا جس کی خبر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس تلوار کے بارے میں سنی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس مسئلے کے بارے میں حضرت عمر بن معدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس خط بھیجا کہ میں نے تمہاری تلوار کو جیسا سنا تھا ویسا نہیں پایا۔ حضرت عمر بن معدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے جواب دیا:

''میں نے امیر المؤمنین کے پاس تلوار بھیجی ہے،
وہ بازو نہیں بھیجا جس سے یہ تلوار چلائی جاتی ہے۔''

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۰ رفروری ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔ نماز عشاء ساڑھے سات بجے (۷:۳۰)، بیان بعد از نمازِ عشاء ہوگا۔